ماھنامہ

العارف

بیادگار

عاشقِ مصلح الامت حضرت مولانا شاہ فضل الرحیم صاحب نوراللہ مرقدہ

بفیض

حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریا رحیمی صاحب قدس اللہ سرہ

مدیر

مولانا قاری محمد عارف رحیمی صاحب

جلد ٦

شمارہ ٦

جولائی ۲۰۲۲ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خانقاہ رحیمیہ و جامعہ رحیمیہ خیر المدارس کا دینی، علمی، اصلاحی، ترجمان

ماہنامہ العارف

جلد ۶

شمارہ ۶

جولائی ۲۰۲۲ء

ذوالحجہ ۱۴۴۳ھ

بیادگار

عاشقِ مصلحِ امت حضرت مولانا شاہ فضل الرحیم صاحب نور اللہ مرقدہ

بہ فیض

حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا شاہ محمد ذکریا رحیمی صاحب قدس سرہ

مدیر

مولانا قاری محمد عارف رحیمی صاحب

مرتّب

محمد حماد عاطف رحیمی

مجلسِ معاونت

اساتذۂ جامعہ

کمپوزنگ و ڈیزائننگ

مولانا سہیل احمد

سالانہ زرتعاون

۱۵۰ روپے

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ

AL-MAARIF

JAMIA RAHEEMIA KHAIRUL MADARIS

Beside: Masjid -e- Ashraf, Deeramathi 2nd Street, PERNAMBUT - 635810.
Vellore Dist, Tamil Nadu (India). P.O. Box No: 32
Cell: +91 9894306751, +91 9952557549, +91 9894641484.
Email: raheemitrust@gmail.com
A/c no. 1095201001113 - IFSC CODE CNRB 0001095
CANARA BANK PERNAMBUT BRANCH

طابع و ناشر محمد حماد عاطف رحیمی نے جے یم پراسس چنئی سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ المعارف جامعہ رحیمیہ خیر المدارس پرنام بٹ سے شائع کیا

آئینۂ مضامین

نگاہِ اوّلیں	دامنِ مصطفیٰ کبھی داغدار نہ ہوگا	مدیر	۳
نورِ حراء	پیغاماتِ قربانی	مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ	۵
شمعِ رسالت	قربانی ایک واجبی عمل	مولانا امتیاز احمد خطیب	۱۰
بزمِ درویش	ملفوظاتِ رحیمی	عارف باللہ حضرت مولانا شاہ فضل الرحیم نوراللہ مرقدہ	۱۳
درِّ نایاب	معارفِ رحیمی	شیخ الحدیث حضرت مولانا شاہ محمد ذاکر رحیمی صاحب نوراللہ مرقدہ	۱۴
فغانِ کلیم	اثر انگیز نصائح	طبیب الامۃ مرجع العلماء حضرت شاہ حکیم محمد کلیم اللہ صاحب دامت برکاتہم	۱۶
مضامین	حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا ایثار	حضرت مولانا حافظ محمد اسحاق ملتانی زید مجدہ	۱۸
مضامین	محرم الحرام کی فضیلت	جناب مولانا فہیم صدیقی صاحب	۲۱
امثال وعبر	اللہ تعالیٰ کی رزاقیت کا نمونہ	حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب مدظلہ	۲۶
نورِ نبوت	چند متفرق سنتیں	مولانا اختر حسین بہاولپوری	۲۷
مشعلِ راہ	سلام کن کن مواقع پر ممنوع ہے؟	مولانا محمد طاہر مظاہری	۲۹
اوراد و وظائف	تھکاوٹ دور کرنے کا علاج	حضرت مولانا محمد یحییٰ پالنپوری	۳۱
مسک الحرمین	فانی نہیں	جناب جمشید جوہر جھارکھنڈ	۳۲

دینی کتب ورسائل کا احترام ہر مسلمان پر فرض ہے

”المعارف“ کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل کریں۔ (ادارہ)

۳
ماہنامہ
المعارف

نگاہِ اوّلیں — مدیر

دامنِ مصطفیٰ کبھی داغدار نہ ہوگا

حامداً و مصلیاً!

اس وقت نہ صرف ہمارے ملک میں بلکہ سارے عالم اسلام میں ناموس رسالت اور تحفظ عظمت نبوت کی خاطر ہر ایک عشق نبوی سے لبریز نظر آرہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض جاہل شانِ نبوی میں کیچڑ اچھالنے کی ناکام کوشش کررہے ہیں کہ دامنِ مصطفیٰ داغدار ہو۔

یقیناً فرزندانِ اسلام اور عشاقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ایک لمحۂ فکریہ ہے اس موقع پر معترضین کو دندان شکن جواب دینا اسلامی فریضہ ہے، مگر اس کا ایک دوسرا پہلو بھی بڑا حکمت بھرا نظر آتا ہے، وہ یہ کہ ہمارا یقین ہے کہ نظام کائنات کی ہر چیز منشاء خداوندی سے چلتی اور وجود میں آتی ہے۔ خدا کی مرضی نہ ہو تو کسی امر کا ہونا نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہے۔

اب اس سنگین اور اَفراتفری کی صورت میں بھی حکمت ہے۔

جیسا کہ عربی کہاوت ہے ''فعل الحکیم لا یخلوا عن الحکمۃ''

اس اعتراض سے نبی کی شانِ تقدس اور جبلِ عظمت میں سرِ مو کمی و نقص تو نہیں آئی بلکہ حکمت خداوندی یہ کارفرما ہوئی کہ اپنے تو اپنے انصاف پسند غیر مسلم بھی سیرت مصطفوی کا تحقیقی مطالعہ کرنے لگے اور بولنے پر مجبور ہوئے کہ محمدی اخلاق بڑے نرالے ہیں اور مسلم برادری میں تو تقریر و تحریر کے ذریعہ آپ کی ازدواجی زندگی، آپ کی بعثت اور خاندان صدیقی کے مناقب کا تذکرہ بڑوں اور چھوٹوں کے وردِ زبان ہوگیا نتیجۃً ہر ایک نے شانِ رسول اور عظمت نبی سے واقفیت حاصل کی۔

جہاں تک اعتراضات ہیں اس کے یہی جوابات علمائے کرام نے بیان کئے۔

۱) شادی کی عمر کیلئے ہر قوم اور ہر ملک کا الگ الگ انداز اور معیار ہوتا ہے، اس زمانہ میں کم عمری میں شادی کوئی عیب والی بات نہیں تھی بلکہ اس کا معمول تھا، اور اس کا اندازہ ہمیں ہمارے ماحول سے بھی ہوسکتا

ہے کہ آج سے ۷۰، ۸۰ سال قبل کا کیا حال تھا، ذرا تحقیق کیجئے کہ ہماری دادی یا نانی کی شادیاں کس عمر میں ہوتی تھیں تو معلوم ہوگا تیرہ چودہ سال میں ہوئی۔ چنانچہ اُس زمانہ کا رواج تھا کہ جیسے ہی بچی بالغہ ہوجاتی تو فوراً نکاح کرادیتے تھے مگر آج کا حساب اور معیار اس سے بہت جدا اور الگ ہے اس وجہ سے اعتراض کرنا بھی بالکل بے کار ہے۔

۲) اور دوسری بات اس نوعمری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی منگنی حضرت جبیرؓ بن مطعم (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) کے لڑکے سے ہونے والی تھی۔ مگر جبیر کی بیوی نے یہ کہہ کر رَد کردیا تھا کہ اگر ابوبکر کی بیٹی ہمارے گھر آئے گی تو بددینی پھیل جائے گی (یعنی اسلام کو وہ بددینی تصور کرتے تھے)۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک میں جو کفار و مشرکین تھے دشمنانِ اسلام تھے وہ آج کے دشمنانِ اسلام سے کہیں زیادہ بدتر تھے جب ان کو یہ سوال پیدا نہیں ہوا، پیٹ میں درد نہیں ہوا تو آج کیوں پیٹ درد کر رہا ہے؟ تو معلوم ہوا کہ اس زمانہ کا رواج تھا کہ کم عمری میں شادی کروادیتے تھے۔

مختصر یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جوانی ایک یا دو بیواؤں کے ساتھ گذر جاتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری آٹھ سال حکم خداوندی کی خاطر اور شادیاں ہوتی ہیں جن میں بھی بیواؤں ہی کے سروں پر ہاتھ رکھا جاتا ہے صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی وہ خاتون ہیں جو کم عمری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت میں آئیں تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ تک مکمل طور پر علم نبوت، نورِ نبوت اور کمالِ نبوت سے استفادہ کرکے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد سینتالیس سال (۴۷) تک ایک طویل مدت گذارتے ہوئے امت کو دین کے ہر پہلو سے روشناس فرمایا۔

چنانچہ پوری اُمت کا فیصلہ ہے کہ اگر کل علم نبوت کو دو حصوں (داخلی و خارجی زندگی) میں تقسیم کیا جائے تو کل احکامات کا تقریباً نصف حصہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے تو اس وجہ سے بھی اُمت کے کئی مسائل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذریعے حل ہوئے۔

انہی وجوہات کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کی کم عمری میں ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ حقیقت پر مبنی اعتراض نہیں بلکہ فرطِ غیظ و غضب میں عقل و خرد کی بوکھلاہٹ سے ہونے والے خام اعتراض سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

ماہنامہ ۵
المعارف

نورِ حراء

مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

پیغاماتِ قربانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَقَالَ اِنِّیۡ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیۡ سَیَهۡدِیۡنِ○ رَبِّ هَبۡ لِیۡ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ○ فَبَشَّرۡنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیۡمٍ○ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعۡیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اَنِّیۡۤ اَذۡبَحُكَ فَانۡظُرۡ مَاذَا تَرٰی قَالَ یٰۤاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیۡنَ○ فَلَمَّاۤ اَسۡلَمَا وَتَلَّهٗ لِلۡجَبِیۡنِ○ وَنَادَیۡنٰهُ اَنۡ یّٰۤاِبۡرٰهِیۡمُ○ قَدۡ صَدَّقۡتَ الرُّءۡیَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ○ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الۡبَلٰٓؤُا الۡمُبِیۡنُ○ وَفَدَیۡنٰهُ بِذِبۡحٍ عَظِیۡمٍ ۔ (سورۃ الصّٰفّٰت)

ترجمہ: اور بولا میں جاتا ہوں اپنے رب کی طرف وہ مجھ کو راہ دے گا، اے رب! بخش مجھ کو کوئی نیک بیٹا، پھر خوشخبری دی ہم نے اس کو ایک لڑکے کی جو ہوگا تحمل والا، پھر جب پہنچا اس کے ساتھ دوڑنے کو کہا اے بیٹے میں دیکھتا ہوں خواب میں کہ تجھ کو ذبح کرتا ہوں پھر دیکھ تو تو کیا دیکھتا ہے، بولا اے باپ! کر ڈال جو تجھ کو حکم ہوتا ہے تو مجھ کو پائے اگر اللہ نے چاہا سہارنے والا، پھر جب دونوں نے حکم مانا اور پچھاڑا اس کو ماتھے کے بل، اور ہم نے اس کو پکارا یوں کہ اے ابراہیم! تو نے سچ کر دکھایا خواب ہم یوں دیتے ہیں بدلہ نیکی کرنے والوں کو، بے شک یہی ہے صریح جانچنا، اور اس کا بدلہ دیا ہم نے ایک جانور ذبح کرنے کے واسطے بڑا۔

''وَقَالَ اِنِّیۡ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیۡ سَیَهۡدِیۡنِ'' (اور ابراہیم علیہ السلام کہنے لگے کہ میں تو اپنے رب کی طرف چلا جاتا ہوں) یہ بات حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت ارشاد فرمائی جبکہ آپ اپنے اہل وطن سے بالکل مایوس ہو گئے، اور وہاں آپ کے بھانجے حضرت لوط علیہ السلام کے سوا کوئی آپ پر ایمان نہیں

لایا، ''رب کی طرف چلے جانے'' سے مراد یہ ہے کہ میں دارُالکفر کو چھوڑ کر کسی ایسی جگہ چلا جاؤں گا جہاں کا مجھے اپنے رب کی طرف سے حکم ہوا ہے، اور جہاں میں اپنے پروردگار کی عبادت کرسکوں گا، چنانچہ آپ اپنی زوجۂ مطہرہ حضرت سارہؓ اور اپنے بھانجے حضرت لوط علیہ السلام کو لے کر سفر پر روانہ ہوئے، اور عراق کے مختلف حصوں سے ہوتے ہوئے بالآخر تشریف لے آئے، اس تمام عرصہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی، اس لئے آپ نے وہ دُعاء فرمائی جس کا اگلی آیت میں ذکر ہے، یعنی:

''رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ'' (اے میرے پروردگار! مجھے ایک نیک فرزند عطا فرما) چنانچہ آپ کی یہ دُعاء قبول ہوئی، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک فرزند کی پیدائش کی خوشخبری سنائی:

''فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ'' (پس ہم نے ان کو ایک حلیم المزاج فرزند کی بشارت دی) ''حلیم المزاج'' فرما کر اشارہ کردیا گیا کہ یہ نومولود اپنی زندگی میں ایسے صبر وضبط اور بردباری کا مظاہرہ کرے گا کہ دنیا اس کی مثال نہیں پیش کرسکتی، اس فرزند کی ولادت کا واقعہ یہ ہوا کہ جب حضرت سارہؓ نے یہ دیکھا کہ مجھ سے کوئی اولاد نہیں ہورہی تو وہ سمجھیں کہ میں بانجھ ہوچکی ہوں اُدھر فرعونِ مصر نے حضرت سارہؓ کو اپنی بیٹی جن کا نام ہاجرہؓ تھا، خدمت گذاری کیلئے دیدی تھی، حضرت سارہؓ نے یہی ہاجرہؓ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا کردیں، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے نکاح کرلیا، انہی ہاجرہؓ کے بطن سے یہ صاحبزدے پیدا ہوئے اور ان کا نام اسماعیل (علیہ السلام) رکھا گیا۔

''فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ'' (سو جب وہ فرزند ایسی عمر کو پہنچا کہ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ چلنے پھرنے لگا تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: برخوردار میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تم کو ذبح کررہا ہوں) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خواب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تین روز متواتر دکھایا گیا (قرطبی) اور یہ بات طے شدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے، اس لئے اس خواب کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا ہے کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کردوں۔

یہ امتحان کس قدر سخت تھا؟ اس کی طرف اشارہ کرنے کیلئے یہاں اللہ تعالیٰ نے ''فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ'' کے الفاظ بڑھائے ہیں، یعنی ارمانوں سے مانگے ہوئے اس بیٹے کو قربان کرنے کا حکم اس وقت دیا گیا تھا جب یہ بیٹا اپنے باپ کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہوگیا تھا، اور پرورش کی مشقتیں برداشت کرنے کے بعد اب وقت آیا تھا کہ وہ قوتِ بازو بن کر باپ کا سہارا ثابت ہو، مفسّرین نے لکھا ہے کہ اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر تیرہ سال تھی، اور بعض مفسّرین نے فرمایا کہ بالغ ہو چکے تھے۔ (تفسیر مظہری)

''فَانْظُرْ مَاذَا تَرَى'' (سوتم بھی سوچ لو کہ تمہاری کیا رائے ہے؟) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات حضرت اسماعیل علیہ السلام سے اس لئے نہیں پوچھی کہ آپ کو حکم الٰہی کی تعمیل میں کوئی تردّد تھا، بلکہ ایک تو وہ اپنے بیٹے کا امتحان لینا چاہتے تھے کہ وہ اس آزمائش میں کس حد تک پورا اُترتا ہے؟ دوسرے انبیاء علیہم السلام کا طرز ہمیشہ یہ رہا ہے کہ وہ احکامِ الٰہی کی اطاعت کے لئے تو ہر وقت تیار رہتے ہیں، لیکن اطاعت کیلئے ہمیشہ راستہ وہ اختیار کرتے ہیں جو حکمت اور حتی المقدور سہولت پر مبنی ہو، اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے سے کچھ کہے بغیر بیٹے کو ذبح کرنے لگتے، تو یہ دونوں کیلئے مشکل کا سبب ہوتا، اب یہ بات آپ نے مشورہ کے انداز میں بیٹے سے اس لئے ذکر کی کہ بیٹے کو پہلے سے اللہ کا یہ حکم معلوم ہوجائے گا تو وہ ذبح ہونے کی اذیت سہنے کیلئے پہلے سے تیار ہوسکے گا، نیز اگر بیٹے کے دل میں کچھ تذبذب ہو ابھی تو اُسے سمجھایا جائے گا، لیکن وہ بیٹا بھی اللہ کے خلیلؑ کا بیٹا تھا اور اُسے خود منصبِ رسالت پر فائز ہونا تھا، اس نے جواب میں کہا:

''يَاأَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ'' (ابّا جان جس بات کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اُسے کر گذریئے)۔ اس سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بے مثال جذبۂ جاں سپاری کی تو شہادت ملتی ہی ہے، اس کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کم سِنی ہی میں اللہ نے اُنہیں کیسی ذہانت اور کیسا علم عطا فرمایا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن کے سامنے اللہ کے کسی حکم کا حوالہ نہیں دیا تھا، بلکہ محض ایک خواب کا تذکرہ فرمایا تھا، لیکن حضرت اسماعیل علیہ السلام سمجھ گئے کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی

ہوتا ہے، اور یہ خواب بھی درحقیقت حکمِ الٰہی کی ہی ایک شکل ہے، چنانچہ انھوں نے جواب میں خواب کے بجائے حکمِ الٰہی کا تذکرہ فرمایا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنی طرف سے اپنے والد بزرگوار کو یہ یقین بھی دلایا کہ:

''سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ'' (ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے) اس جملے میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی غایت ادب اور غایت تواضع کو دیکھئے، ایک تو ان شاء اللہ کہہ کر معاملہ اللہ کے حوالہ کر دیا اور اس وعدے میں دعوے کی جو ظاہری صورت پیدا ہوسکتی تھی اسے ختم فرمادیا، دوسرے آپ یہ بھی فرماسکتے تھے کہ ''آپ ان شاء اللہ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے'' جس سے اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ یہ صبر وضبط تنہا میرا کمال نہیں ہے بلکہ دنیا میں اور بھی بہت سے صبر کرنے والے ہوئے ہیں، ان شاء اللہ میں بھی اُن میں شامل ہوجاؤں گا، اس طرح آپ نے اس جملے میں فخر وتکبر، خود پسندی اور پندار کے ہر ادنیٰ شائبے کو ختم کر کے اس میں انتہا درجے کی تواضع اور انکسار کا اظہار فرمادیا، اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان کو کسی معاملہ میں اپنے اوپر خواہ کتنا ہی اعتماد ہو، لیکن اُسے ایسے بلند بانگ دعوے نہیں کرنے چاہئیں جن سے غرور وتکبر ٹپکتا ہو۔

''فَلَمَّآ اَسْلَمَا'' (پس جب وہ دونوں جھک گئے) اَسْلَمَ کے معنی ہیں جھک جانا، مطیع ہوجانا، رام ہوجانا، مطلب یہ ہے کہ جب وہ اللہ کے حکم کے آگے جھک گئے، یعنی باپ نے بیٹے کو ذبح کرنے کا اور بیٹے نے ذبح ہوجانے کا ارادہ کرلیا، یہاں لَمَّا (جب) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، لیکن اس کا جواب مذکور نہیں ہے، یعنی آگے یہ نہیں بتایا گیا کہ جب یہ واقعات پیش آچکے تو کیا ہوا؟ اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ باپ بیٹے کا یہ اقدامِ فداکاری اس قدر عجیب وغریب تھا کہ الفاظ اس کی پوری کیفیت کو بیان کر ہی نہیں سکتے۔

''وَتَلَّہٗ لِلْجَبِیْنِ'' (انھیں پیشانی کے بل خاک پر لٹادیا) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا مطلب یہ منقول ہے کہ اُنھیں اس طرح کروٹ پر لٹادیا کہ پیشانی کا ایک کنارہ زمین سے چھونے لگا، لغت کے اعتبار سے یہ تفسیر راجح ہے، اس لئے کہ جَبِیْنٌ عربی زبان میں پیشانی کی دونوں کروٹوں کو کہتے ہیں۔

بہرصورت تاریخی روایات میں اس طرح لٹانے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ شروع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُنھیں سیدھا لٹایا تھا، لیکن جب چُھری چلانے لگے تو بار بار چلانے کے باوجود گلا کٹتا نہیں تھا، کیونکہ اللہ نے اپنی قدرت سے پیتل کا ایک ٹکڑا بیچ میں حائل کر دیا تھا، اس موقع پر بیٹے نے خود یہ فرمائش کی کہ ابّا جان! مجھے چہرے کے بل کروٹ سے لٹا دیجئے، اس لئے کہ جب آپ کو میرا چہرہ نظر آتا ہے تو شفقتِ پدری جوش مارنے لگتی ہے، اور گلا پوری طرح کٹ نہیں پاتا، اس کے علاوہ چُھری مجھے نظر آتی ہے تو مجھے بھی گھبراہٹ ہونے لگتی ہے، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں اسی طرح لٹا کر چھری چلانی شروع کی (تفسیر مظہری وغیرہ) واللہ اعلم۔

''وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ○ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَآ'' (اور ہم نے انھیں آواز دی کہ اے ابراہیم! تم نے خواب سچ کر دکھایا) یعنی اللہ کے حکم کی تعمیل میں جو کام تمہارے کرنے کا تھا اس میں تم نے اپنی طرف سے کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی۔ اب یہ آزمائش پوری ہو چکی اس لئے اب انہیں چھوڑ دو۔

''اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ'' (ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں) یعنی جب کوئی اللہ کا بندہ اللہ کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کر کے اپنے تمام جذبات کو قربان کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے، تو ہم بالآخر اسے دنیوی تکلیف سے بھی بچا لیتے ہیں، اور آخرت کا اجر و ثواب بھی اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دیتے ہیں۔

''وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ'' اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض میں دیا) روایات میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ آسمانی آواز سن کر اوپر کی طرف دیکھا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک مینڈھا لئے کھڑے تھے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی مینڈھا تھا جس کی قربانی حضرت آدم علیہ السلام کے صاحبزادے ہابیل رضی اللہ عنہ نے پیش کی تھی، واللہ اعلم

بہرحال یہ جنتی مینڈھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا ہوا، اور انھوں نے اللہ کے حکم سے اپنے بیٹے کے بجائے اس کو قربان کیا، اس ذبیحہ کو ''عظیم'' اس لئے کہا گیا کہ یہ اللہ کی طرف سے آیا تھا اور اس کی قربانی کے مقبول ہونے میں کسی کو کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ (تفسیر مظہری وغیرہ)

ماھنامہ
۱۰
المعارف

شمع رسالت

مولانا امتیاز احمد خطیب

قربانی ایک واجبی عمل

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ کَانَ لَہٗ سَعَۃٌ وَلَمْ یُضَحِّ فَلَا یَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا۔

(رواہ ابن ماجہ واحمد)

ترجمہ..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو وسعت ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو ایسا شخص ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے۔

مؤمن ومسلمان کی جان ومال اللہ ذوالجلال کی ملکیت ہے، اس نے اپنے بندوں سے یہ دونوں چیزیں خرید لئے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے ''اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ '' کہ یقیناً اللہ پاک ایمان والوں سے ان کے جان ومال کو خرید لیا ہے، اب خرید وفروخت کا مطلب یہ نہیں کہ وہ فوراً ہمارے قبضہ سے نکال لئے جائیں، صرف اس قدر مطلوب ہے کہ جب موقع پیش آئے تو جان ومال راہِ خدا میں صرف کرنے کیلئے تیار ومستعد رہے، دینے سے بخل نہ کریں، چنانچہ اس میں امتحان وآزمائش کی خاطر اللہ نے اپنے بندوں پر دو قسم کی عبادات، بدنی عبادت اور مالی عبادت کا حکم فرمایا ہے، بدنی عبادت جیسے نماز، روزہ، ذکر، تلاوت اور طواف وغیرہ اور مالی عبادت زکوٰۃ، صدقات وخیرات اور قربانی وغیرہ۔

حدیث مذکور کا تعلق آخر الذکر مالی عبادت یعنی قربانی سے ہے، قربانی کی عبادت

ایک عظیم الشان عبادت ہے اور وہ شعائر اسلام میں شامل ہے لہٰذا ارشاد ہے مَنْ كَانَ لَهٗ سَعَةٌ جس شخص کو وسعت ہو، اب سوال ہے کہ وسعت کا مطلب کیا ہے؟ اور اس کا معیار کیا ہے؟ شریعت کی نظر میں وہ شخص قابل وسعت ہے جس کے پاس حاجت اصلیہ سے زائد اتنا مال ہو جس کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہو، خواہ وہ تجارتی ہو یا نہ ہو اور اس مال پر سال گذر گیا ہو یا نہ ہو بہر صورت اس پر قربانی واجب ہے، ایسا شخص شریعت مطہرہ کے نزدیک صاحب وسعت ہے۔

اگر کوئی اتنی وسعت وکشادگی کے باوجود صرف بخالت کی وجہ سے قربانی نہ کیا تو آگے ارشاد ہے وَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا یعنی اس نے قربانی نہ کی تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے۔

اس حدیث سے چند باتیں واضح ہوتی ہیں۔

(۱) یہ حدیث دال ہے اس بات پر کہ قربانی صاحب وسعت پر واجب ہے۔

(۲) ''فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا'' سے مراد یہ نہیں کہ عید الاضحیٰ کی نماز کی صحت قربانی پر ہی موقوف ہو، بلکہ ایسے بدنصیب بخیل کیلئے بطور سزا خدائے تعالیٰ کے نیک بندوں سے دور کر دیا جارہا ہے، اور دوسری بات کہ عیدگاہ کے ایک وسیع میدان میں سارے مسلمانوں کو جمع کرنے کا ایک عظیم مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کی جماعت وجمعیت کا اظہار ہو، تاکہ مسلم برداری کی طاقت وقوت، شان وشوکت، رعب ودبدبہ اور اتحاد واتفاق سے غیر متأثر ہو، اس کثیر الفوائد مقصد کے باوجود اللہ اور اس کے رسول کو یہ پسند نہیں ہے کہ ایسا آدمی (جس پر قربانی واجب ہو اور نہ کرے) ہماری جمعیت کا فرد بن کر مظاہرہ کرے، نفس پرست اور دنیا ودولت کے اندھے عاشقوں کیلئے اس سے بڑھ کر ذلت ورسوائی اور کیا ہوگی؟ اعاذنا اللہ منہ

(۳) مذکورہ حدیث سے اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ جنہیں وسعت نہیں ہے ان پر قربانی واجب بھی نہیں ہے۔

علاوہ ازیں بے شمار احادیث میں بے حساب فضائل قربانی بھی وارد ہیں تاکہ بندہ اپنے اندر شوق وجذبہ لے کر قربانی کی یہ عظیم عبادت بجالائے، چونکہ آدمی کی کامیابی دو ہی باتوں پر موقوف ہے یا تو وہ انجام کا متوالا بن کر شوقِ جزاء کے سمندر میں ڈوب کر کامیابی وکامرانی کا جوہر پالے۔ یا پھر خوف سزا سے باخبر ہو کر صحیح معنوں میں بندگی اختیار کرلے۔

چنانچہ مذکور الصدر حدیث کے اندر انجام بد کی وعید سنائی گئی اور دیگر احادیث میں وعدے بتائے گئے مثلاً

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بقرعید کے دن انسان کا کوئی عمل اللہ کو قربانی سے زیادہ پسندیدہ نہیں اور قربانی کا جانور بروز قیامت اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ زندہ ہو کر آئے گا، نیز قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی رضا اور مقبولیت کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے لہٰذا۔

اے خدا کے بندو! دل کی پوری خوشی سے قربانیاں کیا کرو۔ (جامع ترمذی)

یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس عظیم عبادت کو انجام دیتے رہے، خواہ آپ سفر میں ہوں یا حضر میں کبھی ترک نہیں فرمایا، اور یہ بھی مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زندگی کے آخری سال سو اونٹوں کی قربانی فرمائی، تریسٹھ اونٹوں کو خود ذبح فرمایا باقی کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سپرد فرمایا، عشاق کیلئے یہی کافی ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس اہتمام اور ہمیشگی کو دیکھتے ہوئے پورے جذبہ سے سرشار ہو کر قربانی کا اہتمام کریں، اس میں ہرگز ہرگز بخالت نہ کریں۔

بزمِ درویش عارف باللہ حضرت مولانا شاہ فضل الرحیم صاحب نور اللہ مرقدہ

ملفوظاتِ رحیمی

ایک سلسلہ گفتگو میں ارشاد فرمایا کہ ہمیں ملفوظات زیادہ سننے اور پڑھنے کا موقع تو نہیں ملا اور زیادہ دنوں تک شیخ کی صحبت میں رہنے کا بھی اتفاق نہ ہوا مگر ہمارا رجحان عمل کی طرف زیادہ تھا۔

مگر آج کل شب و روز اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں، بزرگوں کے ملفوظات شیخ کی مجلس میں بیٹھ کر سنتے ہیں مگر کوئی تبدیلی نہیں آتی عمل کم ہے سننا زیادہ۔

بھائی! شرافت اور عقلمندی تو یہی ہے کہ کم سنے اور عمل زیادہ کرے عالم بے عمل کی مثال اس گدھے کی سی ہے جس کے اوپر چند کتابیں رکھ دی گئی ہوں..... کیا گدھے پر اچھی اچھی کتابیں رکھ دینے سے وہ عالم بن جائے گا؟ ہرگز نہیں اسی کو حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا۔

آج کل لوگ بیعت میں جلدی کرتے ہیں مگر کام سے غافل جب بیعت ہو جاتے ہیں تو پورے طور سے مطمئن ہو جاتے ہیں اصل چیز عمل اور اصلاح نفس ہے ہماری تو بیعت ہمارے شیخ سے خلافت ملنے کے بعد ہوئی بھائی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی جب فتح پور گئے ہوئے تھے اس وقت بیعت ہوئے تھے۔

ارشاد فرمایا: احسان فراموشی بہت بری چیز ہے حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ: ''مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللهَ'' جو انسانوں کا احسان نہیں مانتا وہ خدا کا شکر نہیں کرتا اس لئے اگر کوئی معمولی خدمت بھی کر دے یا کچھ کھلا دے تو اس کا احسان مانے اور شکر بجالائے اس سے نعمتوں میں اور بھی ترقی ہوگی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ اگر تم شکر ادا کرو گے میں زیادہ عطا کروں گا۔

درِّ نایاب

شیخ الحدیث حضرت مولانا شاہ محمد ذاکر رحیمی صاحب نور اللہ مرقدہ

معارفِ رحیمی

مخلوق کے ساتھ خالق کا معاملہ

حدیث قدسی ''انا عند ظن عبدی بی'' یعنے بندہ میرے ساتھ جیسا گمان رکھے گا میں ویسے ہی پیش آؤنگا حدیث پاک مختصر الفاظ کی ہے لیکن بہت ہی جامع اور کثیر فوائد والی ہے۔ حرف حرف سے اللہ جل شانہٗ کی رحمت وشفقت ٹپکتی ہے۔ عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ بندوں کے جیسے عمل ہونگے ویسے ہی قادر مطلق کا معاملہ ہونگا مگر یہ تو انصاف کی بات ہوگی اور حقیقت یہ ہیکہ اگر اللہ تعالیٰ انصاف کے معاملہ پر آگئے تو کون چھوٹ سکتا ہے۔ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی جیسی ذات جب یہ اعتراف کرنے لگے کہ ''ما عبدناك حق عبادتك'' جیسے آپکی عبادت کا حق ہے ویسے ہم نے عبادت کا حق ادا نہیں کیا پھر سوچئے کہ دوسرے بندوں کا حال کیا ہوگا۔ جب عبادت کا حق ادا نہ ہوسکا تو یقینا کوتاہی ہوئی انصاف کے تقاضہ سے اگر اسی کوتاہی پر اللہ تعالیٰ پکڑ لیں تو بتایئے کون چھوٹ سکتا ہے اور کس کو اجر وثواب مانگنے کا حق ہوسکتا ہے۔

پانچ سو سال کی عبادت پھر بھی فضل الٰہی کی ضرورت؟

احادیث میں بنی اسرائیل کے ایک عابد کا عبرتناک واقعہ بیان کیا ہوا ہے جو ہم جیسے خود پسندوں کیلئے بڑا ہی سبق آموز ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک عابد دنیا کے اسباب چھوڑ چھاڑ کر جنگل میں بیٹھ گیا اور اللہ کی توفیق سے پانچ سو برس کی لمبی عمر تک اللہ کی عبادت اور ذکر وتسبیح ہی میں لگا رہا اور ہر

وقت سجدے ہی میں پڑا گڑگڑاتا رہا اللہ جل شانہٗ نے اسکے لئے ایک انار کا درخت اور میٹھے پانی کا چشمہ جاری کر دیا اسکی تمنا تھی کہ جب اسکو موت آئے تو سجدہ کی حالت میں آئے اللہ نے اسکی مراد پوری فرمائی اور سجدہ ہی کی حالت میں اسکا خاتمہ ہوا جب وہ دربار الٰہی میں پیش ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میرے بندے کو میرے فضل وکرم سے جنت میں داخل کردو عابد ٹھٹک گیا اور سوچنے لگا کہ پانچ سو سالہ عبادت کے باوجود اللہ کے فضل وکرم سے جنت ملے گی تو پھر عبادت اور مجاہدے کا کیا ہوا آخر اس نے سوال کر ہی دیا کہ مولا میں دنیا کی ساری لذتوں کو چھوڑ کر ایک ایک لمحہ صرف تیری عبادت ہی میں گذارا تو کیا اب بھی میں تیرے فضل کا مستحق ہوں؟

اللہ نے فرمایا کہ اچھا میرا بندہ عبادت کا حساب پوچھ رہا ہے تو انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ میں بھی اپنی نعمتوں کا حساب اس سے لے لوں اے فرشتوں اس بندے کی پانچ سو سالہ زندگی میں لاکھوں نعمتوں کی بارش اس پر برسائی ہے اسکے بدن کا ایک ایک بال احسانات میں ڈوبا ہوا ہے ساری نعمتوں کو چھوڑ وصرف ایک آنکھ والی نعمت کا موازنہ کرلو اس کا حق ادا ہوجانے کے بعد اسکے جو اعمال بچیں گے انکے عوض اسکو جنت میں بھیجدیا جائیگا۔ اب انصاف کے ترازو کے ایک پلڑے میں اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم الشان نعمت یعنے آنکھ رکھی گئی تو اسکے وزن سے پلڑا نیچے آگیا حکم ہوا کہ میرے بندے کی عبادت یعنے پانچ سو سال کے سارے اعمال کو دوسرے پلڑے میں رکھو تو دیکھا گیا کہ اس نعمت کے مقابلہ میں اسکا کچھ بھی وزن نہیں ہے اور اوپر کا پلڑا جہاں تھا وہیں ہے اب عابد صاحب کے ہوش وحواس اڑ گئے اور اپنے اعمال کی حقیقت معلوم ہوگئی اب دماغ میں آیا جو کچھ ہوا اللہ ہی کے فضل سے ہوا نعمتیں یا توفیق وہ سلب کرلیں تو بندہ کیا کرسکتا ہے۔ عابد گڑگڑانے لگا اے اللہ اپنے فضل وکرم ہی سے جنت میں داخل فرمایئے۔

فغانِ کلیم

طبیب الامۃ مرجع العلماء حضرت شاہ حکیم محمد کلیم اللہ صاحب دامت برکاتہم

اثر انگیز نصائح

اعمال بد کرو گے تو اچھے اعمال کی توفیق چھن جاتی ہے۔ :ایک ہوتا ہے میلان معرفت اور ایک ہوتا ہے میلان معصیت۔ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ پر عمل ہوگا تو میلان معرفت ہوگا اور فواحش پر عمل ہوگا تو میلان معصیت ہوگا۔ یہ دو لفظ یاد رکھو: میلان معرفت، میلان معصیت۔ اور دونوں اختیاری ہیں اس کے لئے پہلے کسی اللہ والے کا انتخاب کرو۔ پہلے لوگ تلاش کرتے تھے کہ کوئی اللہ والا ملے تو میں اس سے دوستی کروں گا، اس کے منافع بہت ہیں۔ آج حب فی اللہ ختم ہو رہا ہے۔ شاہ پرتا بگڈھیؒ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ سے محبت کرو، اللہ کے واسطے دوستی کرو کہ یہ اللہ کا خاص بندہ ہے۔ میری اصلاح کر رہے ہیں، میرے طبیب ہیں وہ تو الگ چیز ہے۔ خالص اللہ کیلئے کہ یہ اللہ کے خاص بندے ہیں اس لئے میں ان سے دوستی کر رہا ہوں، حب فی اللہ پر عمل ہو جائیگا۔ دونوں مطلوب ہیں: حب فی اللہ اور بغض فی اللہ۔ یہود و نصاریٰ ملعون قوم ہے اس سے بغض رکھنا چاہئے، ہم اس سے دوستی کر رہے ہیں۔ ایسے ایسے جملے کہہ دیتے ہیں کہ یہ کیا ملّا پن ہے؟ یہ کیا ملّا گیری ہے؟۔ اللہ سے ڈرو۔ کتنے بڑے محقق شخص ہیں مولانا تھانویؒ ایک مرتبہ ان کی زبان سے نکل گیا تھا کہ ”مجھ سے ہی سنو کسی اور سے نہیں سنو گے“ مگر فوراً تنبہ ہوا اور اپنے نقص کا اعتراف کر لیا۔ آج کتنی لفاظی ہو رہی ہے کہ میں نے وہ بات کہہ دی، میں نے وہ بات بیان کر دی۔ سب محفوظ ہو رہی ہے وہاں پیش ہوگی کہ تم نے کیا کیا کہا؟۔ بسا اوقات بیان میں جوش ہوتا ہے، خوب بیان کرتے ہیں، جوشیلا بیان ہوتا ہے، ہوش تو ہوتا نہیں۔ ایک بہت بڑے بزرگ بھی ہیں حافظ وقاری بھی ہیں انہوں نے کہا کہ بیان ہو رہا تھا بہت زور شور سے، وہ سنتے رہے، پھر کہا کہ مولانا ایک بات عرض کرنی ہے کہ آپ کو بیچ میں بہت جوش آ گیا تھا فلاں فلاں جگہ آپ نے یہ غلطیاں کی ہیں، تنبیہ ہوگئی کہ ارے واقعی میں نے ہی کہا، انہوں نے اعتراف کر لیا۔ جوش میں تھے، توجہ دلائی۔ کہنے والے بہت تربیت یافتہ تھے اسی

لئے منکر پر نکیر کیا۔ منکر پر نکیر بہت اہم شعبہ ہے یاد رکھو۔ منکر پر نکیر کیسے کرینگے یہ سیکھنا پڑیگا۔ نکیر کے اصول ہوتے ہیں، اس کو پہلے سیکھنا پڑیگا۔ جو کام کرو پہلے سیکھو۔ انہوں نے توجہ دلائی۔ جو تربیت یافتہ ہونگے ان کے بیان میں جوش وخروش بالکل نہیں ہوگا، عمدہ بات ہوگی، سیدھی بات فرمائینگے۔ آجکل جتنے نیتا ہوتے ہیں خوب جوش سے بات کرتے ہیں، خوب لعن طعن کرتے ہیں، یہ ان کے پاس تھا علماء کے اندر بھی آ گیا۔ ہوش سے کام لو، جتنا ہوش میں رہوگے اتنا ہی کام آئیگا۔

امت کے اندر بگاڑ، بے حیائی اور منکرات اس لئے بھی عام ہورہی ہیں کہ پیٹ میں حرام مال جارہا ہے۔ انہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ گوشت ہی کھائیں گے۔ جابجا دوکانیں کھلی ہوئی ہیں گوشت اور گوشت سے بنی ہوئی غذائیں بک رہی ہیں۔ ذبیحہ کی کوئی تحقیق نہیں کہ حلال ہے یا حرام۔ جب سے میں نے خود دیکھ لیا تو اندازہ ہوا کہ ہم کتنا حرام مال کھارہے ہیں، ذبیحہ درست نہیں ہورہا ہے۔ اور سپلائر کون؟ مسلمان، خریدنے والے مسلمان، کھانے والے مسلمان۔ اور حرام کھارہے ہیں۔ جتنے مرغ ہیں پہلے تحقیق کرلو کہ کیسا ذبح کیا انہوں نے۔ پہلے ذبیحہ تو درست کرلو کم سے کم۔ اسی لئے جو لوگ سفر کرتے ہیں ریل میں یا جہاز میں وہ بہت احتیاط کریں۔ ایک طالبعلم تھا PHD اسکالر، کہا کہ ہم جماعت میں رہتے ہیں وہاں بھی گوشت ہوتا ہے، تو میں نے کہا کہ کیا ضروری ہے گوشت کھانا؟ سبزی کھالو، دال کھالو۔ جہاں ہے وہاں معلوم کرلو، ذبیحہ درست ہے تو بہت اچھا، نہیں تو مت کھاؤ۔ کتنی دعوتیں ہم لوگ کھاتے رہتے ہیں اور سب حرام پیٹ میں جارہا ہے۔ اس کی اشاعت کرنا چاہئے، ہر بیان میں کہو کہ بھئی اپنا ذبیحہ درست کرلو، اپنا رزق حلال کرلو۔ ہم مسلمان ہیں، سپلائر مسلمان ہے وہ بھی حرام روزی کھارہا ہے، کھانے والے بھی حرام کھارہے ہیں۔ جہاں دیکھو چکن سوپ، چکن بریانی، روسٹ چکن۔ ہر جگہ دکانوں میں مشہور ہے، فلاں جگہ عمدہ بریانی ہے یہی چکن بریانی ہے۔ غیروں کی طرح مسلمان بھی خوب کھارہے ہیں پی رہے ہیں اور کسی تحقیق کی ضرورت محسوس نہیں کرتے کیونکہ اپنے دین سے غافل ہیں، حلال وحرام کی تمیز اٹھ گئی ہے اس لئے خوب رواج ہوتا چلا جارہا ہے کوئی نکیر نہیں کرتا ہے کہ بھائی حلال حرام کی تحقیق کر کے لقمہ اٹھاؤ۔

مضامین

حضرت مولانا حافظ محمد اسحاق ملتانی زید مجدہٗ

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا ایثار

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مدت دراز تک مدرسہ دیوبند کے سرپرست رہے مگر آخر میں کچھ اختلافات پیدا ہوگئے۔ ایسی حالت میں آپ نے دنیاداروں کی طرح اس منصب سے چمٹے رہنے کی بجائے کمال نیک نفسی سے خود کو اس منصب سے ہٹانے کا فیصلہ کرلیا۔ اور استعفیٰ دے دیا۔ جسے ارکانِ مدرسہ نے نامنظور کردیا۔ اس پر حضرت نے خود کو اس منصب سے معزول کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ چونکہ آپ کو علم تھا کہ ارکانِ مدرسہ اس علیٰحدگی کو بھی گوارا نہ کریں گے۔ اس لئے آپ نے مولانا عبدالماجد دریابادی کو اس سلسلے میں ۸/ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو یہ خط لکھا:-

از اشرف علی عفی عنہ

بخدمت مکرمی جناب مولوی عبدالماجد صاحب سلمہٗ

السلام علیکم۔ ایک ناگوار تکلیف بادلِ نخواستہ خلاف عادت دے رہا ہوں۔ آپ کی عنایت سے اُمید ہے گوارا فرمائیں گے۔ یہ ایک مسوّدہ دارالعلوم کی باضابطہ خدمت سے یکسوئی کا ہے جس کو مدرسہ میں بھی بھیج چکا ہوں۔ مگر وہ شاید شائع نہ فرمائیں یا جلدی شائع نہ فرمائیں اور خیرخواہانِ مدرسہ کے سکون کے لئے ضرورۃً ہے کہ جلدی اشاعت ہو۔ اس لئے آپ کو تکلیف دیتا ہوں کہ آپ جس پرچہ میں مصلحت سمجھیں شائع فرماویں۔ خواہ الصدق میں یا کسی اور میں۔ میرا تعارف مدیران جرائد سے خاص طور پر نہیں۔ اس لئے شاید میرے لکھنے سے شائع نہ کریں۔ آپ کے ایسے صاحبوں سے تعلقات ہیں۔ یہ بھی اختیار ہے خواہ اپنی رائے کے ساتھ شائع

فرمادیں یا بدوں رائے کے اور رائے میں بھی بالکل آزاد ہیں۔ بس اتنا لحاظ ضروری ہے کہ مدرسہ کو گزند نہ پہنچے۔ بلکہ اگر کسی قدر مدرسہ کی خدمت کی ترغیب ہو تو مصلحت ہے۔ ورنہ نہ نفع ہو نہ ضرر۔ والسلام

اس خط کے ساتھ جو اعلان بغرض اشاعت روانہ فرمایا وہ یہ تھا:-

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَۃٌ فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَ اَخَوَیۡکُمۡ ۔الآیۃ

حامداً ومصلیاً۔ احقر اشرف علی اس آیت کی بنا پر عرض رسا ہے۔ چونکہ آج کل مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے ارکان میں نیز بعض مسائل انتظامیہ میں غیر معمولی اختلاف ہے جو بناء بر حُسنِ ظن اختلاف اجتہادی کہنا احوط ہے اور منجملہ ان مسائل کے احقر کی سرپرستی کی نوعیت کا مسئلہ بھی ہے تو میری آزادی پسندی طبیعت پر سب سے زیادہ گراں بھی ہے اور آئندہ ناگوار آثار کے ترتب کا بھی احتمال ہے۔ اس لئے احتیاطاً واخذاً بالعزت حضرت سیدنا حسن ﷺ کی سنت کے اتباع میں نفس سرپرستی ہی سے اپنے کو معزول کرتا ہوں۔ جو حقیقت میں تجدید اعادۃ استعفاء سابق ہے۔ اُمید ہے کہ اس کے بعد بقیہ مسائل جلد ہی سہولت سے حل ہو جاویں گے۔ لیکن مدرسہ کی ہر خدمت مقدور سے انشاء اللہ تقاعد نہ ہوگا۔

واللہ الموفق فقط تھانہ بھون ۴ رجب جمعہ ۱۳۵۴ھ

مولانا عبدالماجد اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

حضرت عالی ظرفی اور شرافتِ نفس کے بادشاہ تھے۔ خود تنگ ہو کر مدرسہ سے الگ

ہورہے ہیں۔ مگر یہ گوارا نہیں کہ مدرسہ کو کسی طرح بھی ضرر پہنچے بلکہ کوشش اسی کی ہے کہ ہوسکے تو نفع ہی پہنچ جائے۔ یہ شرافتِ نفس مولانا کا حصہ تھا۔

ایسے ایثار کا نمونہ ارباب اختیار کی بجائے اہل حق میں ہی نظر آسکتا ہے۔

ارشاد فرمایا، مجھے تو اس تصور ہی سے وحشت ہوتی ہے کہ میری ملک میں ضرورت سے زیادہ چیزیں ہوں۔ چاہے ان چیزوں سے خود مجھے سابقہ کبھی نہ پڑتا ہو۔ لیکن خیال ہوتا ہے کہ میری ملک میں ایسی فضول چیزیں کیوں ہوں آخر ان کا کیا ہوگا۔ بہت ہی طبیعت الجھتی ہے کہ جو چیز کام میں نہ آوے۔ وہ گھر میں کیوں رہے۔ مفت میں پہرہ چوکی دینا حمّال ہونا۔ مزدور بننا۔ فضول کا سردرد۔ صائب نے خوب کہا ہے کہ ؎

حرص قانع نیست صائب ورنہ اسبابِ معاش

آنچہ مادرکار داریم اکثرے درکار نیست

میرے پاس کوئی چیز ہدیۃً آتی ہے تو آتے ہی غم سوار ہوجاتا ہے کہ اس کو کس کام میں لاؤں۔ جب تک اس کی ضرورت ذہن میں نہیں آجاتی۔ ہمیشہ اس کی فکر رہتی ہے کہ کیا استعمال کروں۔ ڈر بھی لگتا ہے کہ کہیں حق تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری نہ ہو کہ نالائق ہم تو تجھ کو دیتے ہیں۔ اور تو گھبراتا ہے۔ بعضی چیز تو خیر ایسی ہوتی ہے کہ آتے ہی کام آجاتی ہے لیکن بعضی چیز ایسی آتی ہے کہ سوچنا پڑتا ہے کہ آخر اس کا کیا کروں یا تو کسی کو دیدی۔ یا اگر بخل کا غلبہ ہوا تو سوچا کہ اجی مفت کسی کو دوں۔ لاؤ بیچو۔ بس بیچ کر اس کی رقم ضروری موقعوں پر خرچ کردی۔ اللہ اللہ خیر سلا اس کا موجود رہان بار ہوتا ہے۔

ماہنامہ ۲۱
المعارف

مضامین

جناب مولانا فہیم صدیقی صاحب

محرم الحرام کی فضیلت

حرمت والا مہینہ: ماہ محرم الحرام کی بہت فضیلتیں ہیں جیسا کہ قرآن واحادیث میں مذکور ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ ۔ (التوبۃ:۳۶)

یقیناً شمار مہینوں کا (جو کہ) کتاب الٰہی (یعنی احکام شرعیہ) میں اللہ کے نزدیک (معتبر ہیں) بارہ مہینے (قمری) ہیں (اور کچھ آج سے نہیں بلکہ) جس روز اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین پیدا کئے تھے (اسی روز سے اور) ان میں چار خاص مہینے ادب کے ہیں (ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم، رجب) یہی (امر مذکور) دین مستقیم ہے (یعنی ان مہینوں کا بارہ ہونا اور چار کا بالتخصیص اشہر حرم ہونا اور بخلاف عادت جاہلیت کے کبھی سال کے مہینوں کا عدد بڑھا دیتے ہیں، اور کبھی اشہر حرم کی تخصیص چھوڑ دیتے کہ یہ بددینی ہے) سو تم ان سب مہینوں کے بارے میں (دین کے خلاف کر کے جو کہ موجب گناہ ہے) اپنا نقصان مت کرنا (یعنی اس عادتِ جاہلیت کے موافق مت کرنا)۔

سال کے بارہ مہینے ہیں جن میں سے چار حرمت والے ہیں (۱) ذوالقعدہ (۲) ذوالحجہ (۳) محرم الحرام (۴) رجب المرجب۔ ان کی فضیلت وحرمت کا تو زمانہ جاہلیت میں بھی خیال رکھا جاتا تھا، اور جنگ، قتل، چوری وغیرہ سے بھی گریز کرتے تھے، اگر ان مہینوں میں جنگ کا موقع آجاتا تو اس کو بعد والے مہینہ میں کر دیتے تھے اور لوگ ان چار مہینوں میں آسانی سے سفر کرتے تھے ان کو ڈاکوؤں وغیرہ کا خطرہ بھی نہیں ہوتا تھا۔

اسلامی سال کا آغاز: علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ آپ کی طرف سے جو خط موصول ہوتے ہیں ان پر تاریخ نہیں لکھی ہوتی، اس سے پتا نہیں چلتا کہ یہ خط کب کا لکھا ہوا ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا۔ اکثر کی رائے تھی ہجرت اسلامی تاریخ کی ابتداء ہو چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی پر فیصلہ دیا (الکامل فی التاریخ: ۹/۱، دار الکتاب العربی) کیونکہ ہجرت نے ہی حق اور باطل کے درمیان حد فاصل کا کام کیا۔ پھر کہا کہ کس مہینے سے ابتدا ہو تو فیصلہ ہوا محرم سے۔ کیونکہ اس مہینے لوگ حج سے واپس ہوتے ہیں، اس کے علاوہ یہ محترم اور معزز مہینہ ہے۔ (الکامل فی التاریخ: ۱۰/۱)

محرم الحرام کے روزے: حدیث پاک میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''**اَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ شَهْرُ اللهِ الْمُحَرَّمُ**'' (ترمذی ۱۵۷/۱) ترجمہ: ماہ رمضان کے روزوں کے بعد سب سے افضل روزہ ماہ محرم کا ہے ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''**من صام يوما من المحرم فله بكل يوم ثلاثون يوما**'' (الترغیب والترہیب: ۱۱۴/۲) ترجمہ: جو شخص محرم الحرام کے ایک دن کا روزہ رکھے گا اس کو ہر دن کے روزہ کے بدلہ تیس روزہ کا ثواب ملے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''رمضان المبارک کے بعد اللہ کے مہینے محرم کے روزے سب روزوں سے افضل ہیں اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز آدھی رات (یعنی تہجد) کے وقت پڑھی جانے والی نماز ہے''۔ (مسلم، کتاب الصیام: ۱۶۳)

عاشورہ کا روزہ: ''عاشوراء'' عشر سے ہے جس کا معنی ہے دس۔ اسی لئے محرم کی دسویں تاریخ کو عاشوراء کہا جاتا ہے۔ اسلام سے پہلے بھی مشرکین عرب عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں قریش کے لوگ عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی روزہ رکھتے تھے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دورِ جاہلیت میں قریش دس محرم کا

روزہ کیوں رکھتے تھے؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہوسکتا ہے جو حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دورِ جاہلیت میں قریش نے ایک ایسے گناہ کا ارتکاب کیا جو ان پر بڑا گراں گذرا تو ان سے کہا گیا کہ تم لوگ عاشوراء کا روزہ رکھو یہ تمہارے گناہ کا کفارہ ہوجائے گا۔ پھر اس وقت سے قریش عاشوراء کا روزہ رکھنے لگے۔ (فتح الباری، کتاب الصوم: ۴/ ۲۷۳)

مشرکین مکہ کے علاوہ مدینہ کے یہود بھی عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے اور اس دن عید مناتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہودیوں کو عاشوراء کا روزہ رکھتے ہوئے پایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: اس دن تم لوگ روزہ کیوں رکھتے ہو؟ تو وہ کہنے لگے یہ بہت بڑا دن ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات دی، فرعون اور اس کی قوم کو غرق آب کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شکرانے کے طور پر اس دن روزہ رکھا تھا تو ہم بھی رکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام سے موافقت کی وجہ سے ہم تم سے زیادہ یہ روزہ رکھنے کے حقدار ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاشوراء کا روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی اس کا حکم دیا۔ (مسلم: ۱۱۳۰)

تاہم جب رمضان کے مہینے کے روزے فرض ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اب جو چاہے عاشوراء کا روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔ (مسلم: ۱۱۲۵)

عاشوراء کا روزہ بے انتہا فضیلت کا حامل ہے۔ ابوقتادہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عاشوراء کے روزے کے تعلق سے اُمید کرتا ہوں کہ وہ پچھلے سال کے گناہوں کا کفارہ ہوجائیں گے (ترمذی: الحث علی صوم یوم عاشوراء: ۷۵۲) اور ایک روایت میں عاشوراء کے روزہ کی فضیلت یوں بیان کی گئی: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی دن روزہ کا ارادہ کرتے ہوں اور اس دن کو کسی دوسرے دن پر فضیلت دیتے ہوں مگر اس دن یعنی یوم عاشوراء کو اور اس مہینہ یعنی ماہ رمضان کو دوسرے دن اور دوسرے مہینہ پر فضیلت دیتے تھے۔ (بخاری: باب صیام یوم عاشوراء: ۱۹۰۲)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مجھے اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ یوم عاشوراء کا روزہ گذشتہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا''۔ (مسلم: کتاب الصیام، باب استحباب صیام ثلاثۃ ایام: ۱۹۰۲)

محرم میں کی جانے والی بدعات: ماہ محرم میں نفلی روزوں کے علاوہ اور کسی قسم کی عبادت قرآن وسنت سے ثابت نہیں اس کے باوجود ہمارے مسلم معاشرے میں نت نئی بدعات نے رواج پالیا ہے۔ یہاں ماہِ محرم میں کی جانے والی چند مشہور بدعات کا ذکر کیا جارہا ہے:

بعض گمراہ فرقوں کی طرح واقعہ کربلا کو جھوٹ ملا کر بیان کرنا۔

ماہ محرم کو سوگ کا مہینہ سمجھ کر اس مہینے میں شادی بیاہ نہ کرنا۔

دس محرم کو تعزیئے نکالنا، انہیں قابلِ تعظیم و پرستش سمجھنا، ان سے مرادیں اور منتیں مانگنا۔

کھچڑا، حلیم پکانا، پانی کی سبیلیں لگانا، بال بچوں کو ہرے رنگ کے کپڑے پہنا کر انہیں حسین رضی اللہ عنہ کا فقیر بنانا۔

دس محرم کو تعزیوں اور ماتم کے جلوس میں ذوق وشوق کے ساتھ شرکت کرنا اور کھیل وکود سے ان محفلوں کی رونق میں اضافہ کرنا۔

ذوالجناحین (دو پر والے گھوڑے) کے جلوس میں ثواب کا کام سمجھ کر شرکت کرنا۔

دس محرم کو مرثیہ خوانی اور سینہ کوبی کرنا، ماتم اور نوحہ میں شرکیہ کلمات ادا کرنا۔

دس محرم کا اظہار غم کی خاطر زیب وزینت اور عمدہ لباس کو چھوڑ کر ننگے سر، ننگے پاؤں اور ننگے بدن رہنا۔

دس محرم کو حضرت حُسین رضی اللہ عنہ کے نام پر فاتحہ اور نذر ونیاز دینا۔

ان تمام اعمال کو مسلمانوں کا ایک طبقہ کارِ خیر اور ثواب سمجھ کر انجام دے رہا ہے حالانکہ ہر وہ عمل جس کی قرآن وسنت اور خلفاء راشدین نیز خیر القرون میں کوئی دلیل نہ ہو اور اُسے دین سمجھ کر کیا جائے وہ محض بدعت ہے۔ چونکہ محرم میں نفلی روزوں کے علاوہ اور کوئی عبادت ثابت نہیں پس

روزہ کے علاوہ ہر عمل قابل رد ہوگا جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ'' جس نے کارِ خیر سمجھ کر کوئی کام کیا اور اس کا میں نے حکم نہیں دیا تو وہ عمل مردود ہے۔ (مسلم:۱۷۱۸)

ایک مسلمان کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کی اتباع کافی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، فتمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ وإياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة، وفي رواية النسائي وكل ضلالة في النار'' تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقے ہی کو اختیار کرنا اور اسے مضبوطی سے تھامے رکھنا اور دین میں اضافہ شدہ چیزوں سے اپنے کو بچا کر رکھنا اس لئے کہ دین میں نیا کام (چاہے وہ بظاہر کیسا ہی ہو) بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ ہر گمراہی جہنم تک لے جانے والی ہے۔ (ابوداؤد:۴۶۰۷، نسائی:۱۵۷۶)

تقویٰ اور تواضع کی خاص شان مشورہ اکابر کی پابندی

حضرت تھانویؒ کے والد ماجد خاندانی رئیس اور صاحب ثروت تھے۔ ذرائع آمدنی بھی کوئی ناجائز نہ تھے مگر حضرت کی نظر میں کچھ مشتبہ تھے۔ والد ماجد کی وفات کے بعد ترکہ میں اپنے حصہ میراث کا معاملہ سامنے آیا تو لینے میں تردّد ہوا۔ از خود کوئی فیصلہ کرنے کی عادت نہ تھی۔ حضرت گنگوہیؒ کو خط لکھ کر سوال کیا کہ حصہ لینے میں مال مشتبہ ہونے کی وجہ سے تردّد ہے اور چھوڑنے میں اس لئے تردّد ہے کہ کہیں بعد میں پریشانی نہ ہو۔

جواب آیا: ''اگر یہ حصہ لے لو تو فتویٰ ہے نہ لو تو تقویٰ ہے اور پریشانی ان شاء اللہ عمر بھر نہ ہوگی''۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تقویٰ کا پہلو اختیار کیا اور اپنا حصہ میراث جو بڑا سرمایہ تھا بھائیوں کے لئے چھوڑ دیا۔ احقر نے اپنے والد سے سنا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ مولانا اشرف علیؒ کا ادنیٰ تقویٰ یہ ہے کہ والد کی میراث کا حصہ نہیں لیا۔ (ملفوظات حکیم الامت:۱۴/ ۴۴)

امثال وعبر

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب مدظلہ

اللہ تعالیٰ کی رزاقیت کا نمونہ

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ اونچے بزرگوں میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں میں حج کیلئے جارہا تھا دورانِ سفر ایک میدان بیابان سے گذر ہوا میں نے دیکھا ایک کوّا چونچ میں روٹی لئے ہوئے جارہا ہے اس کو دیکھ کر خیال ہوا ضرور اس میں کوئی نہ کوئی راز ہے چنانچہ میں اس کے پیچھے لگ گیا تا آنکہ وہ کوّا ایک غار میں جا کر اُترا میں بھی وہاں پہنچا تو دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس غار میں ایک شخص کمر کے بل پڑا ہوا ہے اور اس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہیں اور یہ کوّا اس کے سینہ پر بیٹھ کر روٹی توڑ توڑ کر اس کے منہ میں ڈال رہا ہے۔

ایک حاجی کا دردناک واقعہ

جب کوّا روٹی کھلا کر چلا گیا تو میں اس شخص کے پاس گیا اور میں نے اس سے پوچھا کہاں کے ہو اور یہاں اس حال میں کیسے پہنچے، اس نے کہا میں حاجی ہوں حج کے لئے جارہا تھا ڈاکوؤں نے مجھے پکڑ لیا اور میرا سارا ساز وسامان چھین لیا اور میرا ہاتھ پاؤں باندھ کر اس غار میں ڈال دیا میں اسی حال میں پڑا رہا پانچ روز تک میں بھوکے پیاسے پڑا رہا پھر میں نے دُعاء کی اے اللہ! آپ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے: ''اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ'' آپ پریشان حال کی دُعاء قبول فرماتے ہیں اور پریشانی دور فرمادیتے ہیں اے اللہ! میں بے حد پریشان ہوں میرے حال پر رحم فرما۔

اللہ نے دُعاء قبول فرمائی اور اس کوّے کو میرے پاس بھیجا یہ روزانہ میرے پاس روٹی لے کر آتا اور مجھ کو چونچ سے روٹی توڑ کر کھلاتا ہے اور چونچ میں پانی بھر کر لاکر پلاتا ہے۔

حضرت مالک بن دینارؒ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے اس کے بندھے ہوئے ہاتھ پاؤں کھولے اور اپنے ساتھ لے کر سفر پر روانہ ہو گیا۔

حج کے سفر میں پانی کی جستجو

آگے چل کر دوران سفر ہمیں پیاس لگی لیکن ہمارے پاس پانی نہیں تھا اچانک ہماری نظر بیابان ہی میں ایک کنویں پر پڑی لیکن اس کنویں پر چند ہرن پہلے سے موجود تھے جو غالباً پانی ہی کی تلاش میں وہاں آئے تھے اور پانی پی رہے تھے ہم نے کنویں کی موجودگی پر اللہ کا شکر ادا کیا جب ہم کنویں کے پاس پہنچے تو ہمیں دیکھ کر ہرن بھاگ گئے لیکن جب ہم پہنچے تو پانی تہہ میں چلا گیا ہم لوگوں نے رسی ڈول کے ذریعہ پانی نکالا اور پیاس دور کیا۔

اس کے بعد میں نے کہا اے اللہ! آپ کی بھی قدرت عجیب ہے ہرن کے لئے آپ نے پانی کی سطح کو اونچا کر دیا اور انہوں نے منہ لگا کر پانی پیا اور ہمارے لئے آپ نے پانی کو تہہ میں پہنچا دیا ہمیں سو ذراع نیچے سے نکال کر پینا پڑا۔ اس پر غیب سے آواز آئی اے مالک ہرن نے ہمارے اوپر بھروسہ کیا تو ہم نے پانی کو اوپر پہنچا دیا اور تمہارا بھروسہ ڈول رسی پر ہے اس لئے ہم نے پانی کو نیچے اُتار دیا۔

فائدہ: سبحان اللہ کیا بات ہے یقیناً اللہ ہر طرح روزی دینے پر قادر ہے جو جس طرح لینا چاہے اس کو وہ اسی طرح دیتا ہے جو کھیت سے محنت کر کے لینا چاہتا ہے اس کو محنت کروا کر دیتا ہے اور جو بغیر محنت اور بغیر کھیتی کے لینا چاہتا ہے اس کو بغیر کھیتی کے دیتا ہے اس کی رزاقیت میں کوئی کمی نہیں۔ اسی لئے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لَوْ تَوَكَّلْتُمْ عَلَى اللهِ حَقَّ تَوَكُّلِهٖ لَرُزِقْتُمْ كَمَا تُرْزَقُ الطُّيُوْرُ تَغْدُوْا خِمَاصًا وَتَرُوْحُ بِطَانًا'' (ترمذی شریف)

اگر اللہ پر کما حقہ بھروسہ واعتماد کر لو تو اللہ اسی طرح تم کو روزی دے جس طرح پرندوں کو دیتا ہے کہ پرندے صبح کو اپنے گھونسلوں سے بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس ہوتے ہیں۔

ماہنامہ ۲۸
المعارف

انوارِ نبوت

مولانا اختر حسین بھاولپوری

چند متفرق سنتیں

زیرِ ناف کا حکم

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوزہ اور ہڑتال وغیرہ سے زیرِ ناف بال خود صاف فرماتے تھے۔ (ابن ماجہ، ص:۲۲۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہڑتال وغیرہ کا استعمال نہ فرماتے۔ بال جب بڑھتے تو مونڈتے۔ (سیرۃ النسائی: ۷/۳۰۸)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ آپ زیرِ ناف بال اکثر مونڈتے حلق فرماتے تھے اور کبھی ہڑتال وغیرہ سے بھی دور فرماتے تھے۔

حافظ نے فتح میں لکھا ہے کہ نسبت مرد اور عورت کے حق میں یہ ہے کہ استرہ وغیرہ سے صاف کرے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لب تراشنے ناخن تراشنے ناخن کاٹنے بغل کے بال صاف کرنے اور زیرِ ناف بال لینے کے متعلق چالیس دن کی تحدید کی ہے کہ چالیس دن سے زائد نہ چھوڑے رکھیں۔

مستحب ہے کہ ہر جمعہ ورنہ پندرہ دن کے بعد زیرِ ناف بال صاف کرے، اور ناخن تراشے اگر یہ نہ ہو سکے تو چالیس جو آخری حد ہے اس سے زیادہ نہ کریں۔ (جاری)

مشعلِ راہ

مولانا محمد طاہر مظاہری

سلام کن کن مواقع پر ممنوع ہے؟

سوال: سلام کن کن مواقع پر نہیں کرنا چاہئے؟

جواب: بول وبراز کرنے کی حالت میں، ذکر کرنے والے کو، نماز پڑھنے والے کو، تلاوت کرنے والے کو، لہوولعب میں مشغول شخص کو، کھانا کھانے والے کو، اذان کہنے والے کو سلام نہ کرنا چاہئے۔ (کفایۃ المفتی، ج:۹، ص:۱۰۹)

علامہ شامی نے ''باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ'' میں ان تمام اشخاص ومقامات کو جمع کیا جہاں سلام کرنا مکروہ ہوتا ہے، جس کی تفصیل درجِ ذیل ہے:-

(۱) نماز پڑھنے والے پر۔

(۲) تلاوت کرنے والے پر۔

(۳) ذکر میں مشغول شخص پر۔

(۴) حدیث پڑھانے والے پر جبکہ وہ درس دینے میں مشغول ہو۔

(۵) خطبہ دینے والے پر

(۶) کتب دینیہ کا مذاکرہ وتکرار کرنے والوں پر۔

(۷) فیصلہ کیلئے بیٹھے ہوئے شخص پر۔

(۸) مؤذن پر بوقت اذان۔

(۹) اقامت کہنے والے پر۔

(۱۰) اجنبی لڑکیوں پر۔

(۱۱) شطرنج کھیلنے والے شخص پر۔

(۱۲) جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ جماع میں مشغول ہو۔

(۱۳) کافر شخص پر۔ (۱۴) مکشوف العورۃ شخص پر۔

(۱۵) کھانے پینے میں مصروف شخص پر۔ (۱۶) قضائے حاجت کرنے والے پر۔

(۱۷) استاذ کے سامنے بیٹھے ہوئے طالب علم پر۔ (۱۸) گانے والے شخص پر۔

(۱۹) کبوتر باز پر۔ (۲۰) زندیق شخص پر۔

(۲۱) مزاح کرنے والے شخص پر۔ (۲۲) لغو اور فضول باتیں کرنے والے پر۔

(۲۳) جھوٹے شخص پر۔ (۲۴) جو شخص قصداً اجنبی عورتوں کو دیکھتا ہو۔

(۲۵) گالیاں دینے والے شخص پر۔ (۲۶) مسجد میں بلا تحقیق باتیں کرنے والے شخص پر۔ (سنی سنائی باتیں کرنے والے پر)۔

(۲۷) تلبیہ پڑھنے والے شخص پر۔ (درمختار مع الشامی، ص:۲۱۷، ج:۱، بحوالہ درسِ بخاری)

اسی طرح مندرجہ ذیل لوگوں پر سلام کا جواب دینا (جب ان کو سلام کیا جائے) ضروری نہیں۔

(۱) قاضی پر خصمین کے سلام کا جواب۔ (۲) استاذ وفقیہ پر اگر شاگرد دوران درس سلام کریں۔

(۳) سائل کے سلام کا جواب۔ (۴) قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے پر۔

(۵) دُعاء میں مشغول شخص پر۔ (۶) مسجد میں ذکر وتلاوت کیلئے بیٹھے ہوئے لوگوں پر جبکہ وہ ذکر میں مشغول ہوں۔

(۷) امام ومؤذن پر جبکہ وہ اپنے فریضہ میں مشغول ہوں۔ (درمختار مع الشامی، بحوالہ درسِ بخاری)

حضرت مولانا محمد یحییٰ پالنپوری

تھکاوٹ دور کرنے کا علاج

جسم تھکا ماندہ ہو تو تہجد و فجر کیلئے اُٹھنا مشکل ہو جاتا ہے یا اُٹھا بھی تو اضمحلال کے ساتھ، ایسے موقع پر سونے سے پہلے تسبیح فاطمی پڑھ کر سونا، نشاط و چستی، فرحت و آرام کا ذریعہ بنتا ہے، لہٰذا سونے سے پہلے تسبیح فاطمی پڑھے۔

فائدہ: تسبیح کی دو قسمیں ہیں:

(۱) تسبیح فاطمی، (۲) تسبیح فقراء۔

ہر فرض نماز کے بعد جو تسبیح پڑھی جاتی ہے وہ تسبیح فقراء کہی جاتی ہے اور سونے سے پہلے جو تسبیح پڑھی جاتی ہے وہ تسبیح فاطمی کہی جاتی ہے، تاہم کلمات تسبیح میں کوئی فرق نہیں۔

بچوں کی ہر تکلیف کا تعویذ

بچوں کو کبھی نظر لگتی ہے تو کبھی شیطان کی جھپٹ، تو کبھی جسمانی تکلیف ــــ، پھر تو خود بھی روتا چلّاتا ہے اور پورے گھر کو بھی جگاتا ہے ایسے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو بچوں کیلئے بھی سراپا رحمت و شفقت بن کر تشریف لائے ان کی زبان مبارک سے نکلی دعا کم از کم سات مرتبہ پڑھ کر دم کیجئے۔

اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّامَّةٍ۔

ترجمہ: اللہ کے کلمات تامہ کے ذریعہ پناہ مانگتا ہوں ہر شیطان سے اور ہر زہریلی چیز سے اور ہر نظر بد والی آنکھ سے۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ پر مذکورہ دُعا پڑھ کر دم کرتے تھے اور فرماتے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام پر اسی کو دم کرتے تھے۔

مسک الحرمین

جناب جمشید جوہر جھارکھنڈ

فانی نہیں

کیسے توصیف اس کی کروں میں جس کا کوئی بھی ثانی نہیں ہے
میرے سرکار کی نعت ہے یہ دل جلوں کی کہانی نہیں ہے
وہ خسارے میں ہوگا یقیناً روزِ محشر میں کل دیکھ لینا
کملی والے مرے مصطفیٰ کی بات جس نے بھی مانی نہیں ہے
جس گلی سے گزرتے تھے آقا دیر تک وہ مہکتی ہمیشہ
عرقِ احمدؐ کی خوشبو سے بڑھ کر خوشبوئے رات رانی نہیں ہے
آپؐ نے جو بھی فرمادیا ہے بالیقیں وہ تو ہوکر رہے گا
ساری چیزیں ہیں دنیا کی فانی اُن کا فرمان، فانی نہیں ہے
کامرانی قدم چوم لے گی جو رہِ حق پہ چلتے رہیں گے
ہم یہ کہتے ہیں کہتے رہیں گے بات حق کی چھپانی نہیں ہے
بزم سرکار میں جھوم کر تم نعت ایسی پڑھو آج جوہر
کھینچ کے آجائے، وہ بھی یہاں پر جس نے آنے کی ٹھانی نہیں ہے

AL-MAARIF

By: JAMIYA RAHEEMIYA KHAIRUL MADARIS

(Under Supervision of Raheemi Trust)

Beside: Masjid -e- Ashraf

Deeramathi 2nd Street, Pernambut - 635810.

Vlr Dist. Tamil Nadu (India) P.O. Box No: 32

Cell: +91 9894306751, +91 9894641484.

FOR PRIVATE CIRCULATION ONLY

رحیمی ٹرسٹ کے اغراض ومقاصد

۱	مسلم محلوں میں حسبِ ضرورت چھوٹی چھوٹی مسجدوں کا انتظام کرنا۔
۲	مدارس دینیہ کے ذریعہ دینی تعلیم وتربیت مع عصری تعلیم کا انتظام کرنا۔
۳	پسماندہ نواحی علاقوں سے طلبہ کو لاکر ان کیلئے طعام اور وظائف کا اہتمام کرتے ہوئے بہترین دینی تعلیم وتربیت فراہم کرنا۔
۴	مسجدوں کے احاطہ میں اسکول کے طلبہ وطالبات کیلئے مفت قرآنی دینی تعلیم کا انتظام۔
۵	علماء حقانی کے مواعظ کے ذریعہ اصلاح معاشرہ کی فکر اور جدوجہد۔
۶	صحیح اسلامی عقائد اور مسائل کی بوقت ضرورت اشاعت۔
۷	غریب ونادار لڑکیوں کی شادی میں حسب استطاعت مالی امداد کرنا۔